بدعت اور اجتہاد کا دائرہ کار اور معاصر فقہاء کی ذمہ داری

Domain of Ijtihad and Bida'h and Responsibility of contemporary Islamic Jurists

ڈاکٹر عبد الغفار*

ڈاکٹر ابوالحسن شبیر احمد**

ABSTRACT

Islam is an easy and practical system of spending life. It does not have any kind of constraint, oppression or restriction in its skirt due to a workable system of life and the exactness of human nature. Islam has introduced the concept of Ijtihād for the proper solution to the new situations and problems that arise in every age. A closer look at contemporary human societies makes it clear that Muslims belonging to different groups consider their desired modern issues and practices as Ijtihād, while others' favorite matters are considered as bid'āh. However, declaring every action of the opposing party against the Sharī'ah is in itself a form of innovation in the religion of Islam and is completely contrary to the teachings of Islam. This in itself is a major cause of instability and religious chaos in today's societies also. In the context of the current situation and problems, it is the duty of islamic jurists that they should guide to the right path of those who are entangled the Ummāh Muhammādīa in the innovative affairs of Islam so that the Muslim nation can be safe from bid'āhs. The discussion of this article covers the scope of both bid'āh and ijtihād. So that the concept of ijtihād and innovation becomes clear and many mutual disputes can be resolved

Keywords: *Qurān, Hadith, Bid'āh (Innovation in Religious Matters), Independent Reasoning (Ijtihād), Sharī'ah, contemporary, Modernism, Modesty, Juristic, Jurisprudence.*

---

* ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

** اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

ا. تعارف

اسلام ایک قابل عمل نظام حیات ہے جو قیامت تک پیش آنے والے ممکنہ علمی و عملی، مذہبی و روحانی اور معاشی و معاشرتی مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔انسانی فطرت کے عین مطابق ہونے کی وجہ سے اسکے دامن میں کسی قسم کی تنگی، جبر یا محدودیت نہیں ہے۔ کسی نئے کام کی حلت و حرمت جاننے کا صائب طریقہ یہ ہے کہ اسے قرآن و سنت پر پیش کیا جائے اگر اس کا شریعت کے ساتھ تعارض ہو تو وہ امر ناجائز کہلائے گا۔ قرآن و سنت کے کسی حکم سے تعارض نہ ہو تو محض عدم ذکر کی وجہ سے اسے ناجائز قرار دینا مناسب نہیں۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ مختلف گروہوں سے وابستہ مسلمان اپنے مرغوب جدید مسائل و اعمال کو اجتہاد، جبکہ دوسروں کے پسندیدہ امور کو بدعت قرار دیتے ہیں، مخالف فریق کے ہر عمل کو خلاف شرع قرار دینا بذات خود دین میں احداث کی ایک شکل اور تصور اسلام اور حکمت دین کے منافی ہے۔ ائمہ و محدثین کرام نے جس طرح بدعت کی تفصیلات بیان کی ہیں اگر ان کو ملحوظ رکھ لیا جائے ایک دوسرے پر فتاوائے بدعت کی بوچھاڑ کم ہو جائے گی جو یقیناً مسلمانوں کو ایک دوسرے کے قریب ہونے میں مدد دے گی۔

اسلام زندگی کے ہر شعبہ میں بنیادی اور تفصیلی رہنمائی فراہم کرتا ہے، اسی وجہ سے اسے کامل نظام حیات قرار دیا گیا ہے۔ اور اس کے کامل نظام ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں مزید دو تصورات موجود ہیں جن میں سے ایک تصور بدعت کا ہے۔ جس کا مقصد و مطلب یہ کہ اسلامی احکام میں حذف اضافہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور جس نے دین میں کمی بیشی یا تبدیلی کا ارتکاب کیا اس کا یہ فعل بدعت قرار پا کر نا قابل عمل اور مردود ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال مبارک کے بعد جب حضرت ابو بکر صدیق کو مشورہ دیا گیا کہ وہ قرآن حکیم کی جملہ آیات کو نبوی ترتیب پر جمع کرنے کا حکم دیں تو آپ نے ابتدائی طور پر اس مشورہ کو رد کرتے ہوئے فرمایا کہ جو کام آپ ﷺ نے نہیں کیا تو وہ کام کر کے بدعت کا ارتکاب کریں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کو بدعت کا خوف اس طور پر طاری تھا کہ وہ ہر کام کرتے ہوئے یہ سوچتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ عمل بدعت بن کر وبال کا سبب بنے۔

اسلام بدعت کے ساتھ دوسرا تصور اجتہاد کا فراہم کرتا ہے تا کہ قیامت تک کے لئے ہر زمانے کے لئے نئے حالات و واقعات کی مناسبت سے جب بھی کوئی معاملہ پیش آئے تو دین کے مزاج کو سمجھنے والے ماہرین اس معاملہ کا جائزہ لے کر یہ طے کر سکیں کہ اس میں سے کونسی بات دین کے مطابق ہے اور کونسی چیز دین سے موافقت نہیں

رکھتی، کس موقع پر ایک چیز جواز کی حیثیت رکھتی اور کن شرائط و حدود کے ساتھ ایک چیز درست اور کس موقع کی مناسبت سے وہی چیز ممنوع قرار پاسکتی ہے۔ اس لحاظ سے بدعت اور اجتہاد کے دونوں تصورات ظاہری طور پر متقابل اور متضاد محسوس ہوتے ہیں۔ مقالہ ہذا میں مذکورہ دونوں کے دائرہ کار پر بحث کی جارہی ہے، کیونکہ اجتہاد اور بدعت کا تصور سمجھ میں آجائے تو بہت سے باہمی نزاعات کا حل خود بخود واضح ہو سکتا ہے۔ اس طرح اجتہادی مسائل میں غلطی کی صورت میں القابات دینے کی بجائے مد مقابل کو فقیہ سمجھ کر کے اس کا احترام ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اس کے علمی مغالطہ کی نشاندہی کی جاسکتی ہے۔ اگر وہ فقیہ بقید حیات ہوں تو اس کے سامنے اس کی اجتہادی غلطی کو واضح کر دیا جائے، بصورت دیگر اس کے لیے دعائے مغفرت کی جائے اور یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اس کے لیے اس غلطی میں بھی ایک اجر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جس مجتہد نے اجتہاد کر کے درست بات کو پالیا تو اس کے لیے دوہرا اجر جبکہ غلطی کی صورت میں اس کے لیے ایک اجر ہے۔"[1]

غور طلب بات یہ ہے کہ غلطی اور خطا پر بھی اجر کی اس قدر حوصلہ افزائی اور اسے اجتہادِ ماجور کہنے کی کیا وجہ ہے۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اگر نظام الاحکام کو صرف عہدِ رسالت یا عہدِ صحابہ کے قضایا اور نظائر تک محدود کر دیا جاتا اور نئے اقدامات کو بدعت سمجھ کر چھوڑ دیا جاتا تو بعد کے ادوار میں قدیم اور جدید طرزِ عمل میں فاصلے پیدا ہو جاتے، نتیجۃً اسلامی طرزِ زندگی میں جمود آسکتا تھا۔ لیکن اب اجتہاد سے نئے فیصلوں کے ذریعے امکانِ جمود کو ختم کر دیا گیا ہے، اور یہ احکامِ شریعت کے تحرک و تسلسل کے برقرار رہنے کا باعث ہے، اس لئے اخلاص اور نیک نیتی پر مبنی مجتہد کی اس کاوش کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ اجتہاد کرنے کا اجر جبکہ غلطی کے سلسلے میں فقیہ معذور ہے۔ البتہ مذہبی قائدین کو عصمت کا درجہ دے کر ان کی کمی کوتاہیوں کی پردہ پوشی کرنا اور ان کے فاسد اقوال کی تاویلات کرنا اپنی عاقبت برباد کرنے کے مترادف ہے۔ نص کے مقابلہ میں اجتہاد باطل ہے اور اس طرح کا اجتہاد بدعت ہے جو کفر اور گمراہی پیدا کرتا ہے۔ شریعت اسلام میں جو چیز نصوص سے صریح اور واضح ہے اس چیز کی پیروی لازم ہے۔ قواعد فقہیہ میں سے ایک اہم قاعدہ یہ بھی ہے کہ " لَا مساغ لِلِاجْتِهَادِ فِي مورد النَّص "[2]۔

اس مناسبت سے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ دونوں شرعی احکام کی بنیادی فکر، ضرورت اور دونوں کی حدود و قیود کا تذکرہ کتاب و سنت، اصحاب رسول اور علمی رسوخ کے حامل، مسلمہ، متفقہ، مفکرین اسلام کی تشریحات

---

١ أبو داود، سليمان بن الأشعث، السجستاني، السنن، كِتَاب الْأَقْضِيَةِ، بَابٌ فِي الْقَاضِي يُخْطِئُ، رقم ٣٥٧٤

٢ الزرقاء أحمد بن محمد، شرح القواعد الفقهية، دار القلم، دمشق، ١٤٠٩ھ-١٩٨٩م، الْقَاعِدَة الثَّالِثَة عشرَة، الْمَادَّة ١٤

کی روشنی میں پیش کیاجائے تاکہ ان کی شرعی نوعیت اوران سے متعلقہ قدیم و جدیداوراصولی وفروعی اختلافات کو سمجھنے میں مدد حاصل ہواورامت مسلمہ کے تنازعات حل کرنے یاکم ازکم ان کی شدت میں تخفیف پیداکرنے کے لئے دردمند اور فکر مند مسلمان اپناکردارادا کرسکیں۔

بدعت واجتہاد کابنیادی تصوراور شرعی حیثیت

شرعی نصوص کے مطالعہ سے یہ بات روزروشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ اسلامی احکام میں اصولی و فروعی یااعتقادی و عملی ہر اعتبار سے بدعت اوراجتہاد کاتصور کئی زاویوں سے واضح کیاگیاہے،ذیلی سطور میں سردست یہ بنیادی تصور پیش کیاجائے گا،پھران کی فنی تعریف اوردائرہ کارزیربحث لاکرنتائج اخذکرنے کی کوشش کی جائے گی۔

- اسلام اللہ تعالی کی مکمل عبدیت اور غلامی کانام ہے اوراسی آزمائش کے لئے انسان کوزمین پراتاراگیا،ارشاد الہی ہے :"واذابتلا ابراهيم ربه بكلمات فأتمهن قال اني جاعلك للناس اماما"[1] کہ" حضرت ابراہیم علیہ السلام کوان کے رب تعالی نے اپنے احکام کے ذریعے سے آزمایا،توانھوں نے ان سب کو پوراکردیااوراس کامیابی کی بناپر حق جل شانہ نے فرمایا میں آپ کو لوگوں کا امام قراردیتاہوں"اس سے معلوم ہواانبیائے کرام کی نبوت وامامت کی بنیادعبدیت الٰہیہ ہے اورانسان کو خلافت ارضی کاتاج اسی مقصد سےپہنایاگیاہے۔
- اللہ تعالی کے حکم کے خلاف فیصلہ کرنے کو کفر، ظلم اور فسق[2] کہاگیا،حکم الہی میں خواہش[3]، ظن[4] اور آرزو[5] کی ملاوٹ کو سختی سے منع کیاگیا۔

---

۱ سورہ البقرہ۲:۱۲۴

۲ سورہ المائدہ،۵:۴۴-۴۷

۳ سورہ ص،۳۸:۲۶

۴ سورہ یونس،۱۰:۸

۵ سورہ النساء،۴:۱۲۳

- ایمان کو عقیدہ اسی لئے کہا گیا کہ وہ بندہ کا اپنے مالک حقیقی سے ان کی اطاعت کا عقد اور عہد ہے[۱]، اس لئے حکم دیا گیا کہ اگر تم مومن ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو[۲]، اور سچے مومن وہی ہیں جو اس معاہدہ کو پورا کرتے ہیں[۳]۔
- دین کی تکمیل[۴] اتمام نور[۵] اور ختم نبوت[۶] کا اعلان کیا گیا کہ یہ دین ہر اعتبار سے کامل و مکمل ہے اس میں تفصیل کل شیئ[۷] موجود ہے، اس لئے اس دین میں کسی قسم کی بیرونی مداخلت کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔
- یہ بھی واضح کیا گیا کہ نبی رحمت ﷺ کی شفاعت عظمی ہر مومن کا آخری سہارا ہے مگر بدعت اور دینی تبدیلی کا جرم اس قدر خطرناک ہے کہ اس کا ارتکاب اس شفاعت سے محرومی کا سبب بن جائے گا۔[۸]
- بدعت کے حوالے سے یہ بات خصوصیت کے ساتھ بتائی گئی کہ بدعت فسق و فجور اور ظلم و تعدی کا کام نہیں ہوتا بلکہ وہ بظاہر نیکی کا عمل ہوتا ہے اور اس کی خامی یہ ہوتی ہے کہ اس میں اللہ تعالی کے حکم اور نبی اکرم ﷺ کے طریقہ میں تبدیلی اور کمی یا زیادتی کا عنصر موجود ہوتا ہے، جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے: "من أحدث فی أمرناھذا, مالیس فیه, فھورد"[۹] یعنی "جس نے ہمارے اس دین میں ایسی چیز کا چیز کا اضافہ کیا جو اس میں نہ ہو تو وہ قابل قبول نہیں"۔ آپ ﷺ نے بعد کے حالات کے اندھیروں کی نشاندہی کرتے ہوئے حضرت حذیفہ سے فرمایا: "قوم یستون بغیر سنتی ویھدون بغیر ھدیی"[۱۰] یعنی "ایسے لوگ ہوں گے جو میرے طریقے کے علاوہ دوسرے طریقوں اور میری رہنمائی کے علاوہ دوسری

---

۱ ایضا، سورہ التوبہ، ۹:۱۱۱

۲ ایضا، سورہ الانفال، ۸:۱

۳ ایضا، ۴

۴ ایضا، سورہ المائدہ، ۵:۳

۵ ایضا، سورہ التوبہ، ۹:۳۲

۶ ایضا، سورہ الاحزاب، ۳۳:۴۰

۷ ایضا، سورہ یوسف، ۱۲:۱۱۱

۸ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الفتن، باب قول اللہ تعالی واتقوا فتنۃ، حدیث نمبر: ۷۰۵۰

۹ ایضا، کتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا علی صلح، حدیث نمبر: ۲۶۹۷

۱۰ الجامع الصحیح، کتاب المناقب، باب علامات النبوہ، حدیث نمبر: ۳۶۰۶

رہنمائیوں کو اپنائیں گے"۔ اسی طرح ایک دوسرے موقع پر حضرت عرباض بن ساریہ سے فرمایا :"ترکتکم علی البیضاء،لیلھاکنھارھا،لایزیغ عنھابعدی الا ھالک،ومن یعیش منکم فسیری اختلافا کثیرا،فعلیکم بما عرفتم من سنتی وسنة الخلفاء الراشدین"[۱] "میں تمھیں روشن اور واضح ملت پر چھوڑ کر جارہاہوں، اس کی رات اس کے دن کی طرح روشن ہے،اس کے باوجود میرے بعد کوئی تباہ حال ہی کج روی اپنائے گا،اور تم میں سے جو زندہ رہے گا وہ کثیر اختلاف دیکھے گا،اس لئے میری سنت اور میرے خلفاء راشدین کی سنت سے جو تم سمجھو اسے لازم پکڑنا"۔

- رہبانیت کے متعلق قرآن مجید میں ہے:"ورھبانیة ابتدعوھا ماکتبناھا علیھم"[۲]یعنی" رہبانیت عیسائیوں کی اختراع ہے ،ہم نے اس کا انھیں حکم نہیں دیا تھا"اس کی تشریح کرتے ہوئے آپ نے فرمایا"انی لم أومر بالرھبانیة"[۳]" مجھے رہبانیت کا حکم نہیں دیا گیا"یہ بھی فرمایا"لاتکونوا کرھبانیة النصاری"[۴]"عیسائیوں کی طرح تم رہبانیت اختیار نہ کرنا۔" اسی طرح یہ بھی آپ کا ارشاد ہے:"انی أصوم وأفطروأصلی وأرقدوأتزوج النساء،من رغب عن سنتی فلیس منی"[۵]یعنی "میں روزے رکھتاہوں اورروزے نہیں بھی رکھتا،رات کو قیام کرتاہوں اور سوتا بھی ہوں اور میں نے شادیاں بھی کرر کھی ہیں، جس نے میری سنت سے روگردانی کی اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔"حضرت عبداللہ بن عمر کو بتایا گیاکہ کچھ لوگ تقدیر کے بارے میں نئی باتیں کررہے ہیں آپ نے فرمایا:"أخبرھم انی بریئ منھم وانھم براء منی"[۶]"کہ انھیں بتادیں کہ میں ان سے بیزار ہوں اور وہ مجھ سے الگ ہیں"حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ بعض لوگوں نے اذان اور اقامت کے درمیان نمازیوں کو نماز کے لئے خبردار کرنے کا عمل

---

۱ احمد، المسند، حدیث العرباض بن ساریہ، حدیث نمبر:۱۷۱۴۵، ۱۷۱۴۲۔اس کو ابن ماجہ، طبرانی، حاکم، ابن عبدالبر اور ابوعاصم کے علاوہ کئی محدثین نے روایت کیا ہے۔

۲ القرآن، سورہ الحدید، ۵۷:۲۷

۳ الدارمی، السنن، کتاب النکاح، باب فی النہی عن التبتل، حدیث نمبر:۲۲۱۵

۴ البیہقی، السنن الکبری، کتاب النکاح، باب الرغبہ فی النکاح، حدیث نمبر:۱۳۴۵۷

۵ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، حدیث نمبر:۵۰۶۳

۶ احمد، المسند، مسند عمر، حدیث نمبر:۵۸۵۶،۳۷۴

شروع کر دیا جسے تثویب کہا جاتا ہے تو حضرت عبد اللہ بن عمر نے اس کو سخت ناپسند کیا اور بدعت قرار دیا[۱]، یہی وجہ ہے کہ فقہائے اسلام نے بھی نیکی کے ان اعمال کو ناجائز قرار دیا جو سنت رسول ﷺ یا عمل یا عمل صحابہ سے ثابت نہ ہوں، جیسا کہ امام مالک نے تثویب کو بدعت کہا[۲] اسی طرح علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں کہ "لایصلىالوتربجماعة فى غيرشهر رمضان...... لأنه لم يفعلها الصحابة"[۳] یعنی "ماہ رمضان کے علاوہ نماز وتر کو باجماعت ادا نہ کیا جائے کیونکہ یہ عمل صحابہ کرام سے مروی نہیں ہے۔" معلوم ہوا جس طرح رسول اللہ ﷺ اللہ تعالی کے حکم کے نمائندہ، امین اور شارح ہیں اسی طرح آپ کے بعد آپ کے اصحاب دین کی تعبیر کے امین اور ذمہ دار ہیں، اس لئے ان کے قول و عمل سے بھی دین کی توثیق اور تشریح ہوتی ہے۔

- دوسری طرف یہ بات بھی اہم ہے کہ دین متین کو میزان[۴]، فرقان[۵] اور قول فصل[۶] تسلیم کیا گیا کہ جدید پیش آمدہ مسائل کا حل ارباب علم و تقوی نے اسی ترازو پر تول کر اور اسی فرقان کے ذریعے پرکھ کر تلاش کرنا ہوگا، اس کی وضاحت یوں کی گئی کہ اگر کسی معاملہ میں تمھارا اختلاف ہو تو تمھیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف پلٹنا ضروری ہے[۷]، اسی کے ساتھ اللہ تعالی نے اپنے رسول ﷺ اور آپ کے اصحاب کو غور و فکر، مشاورت اور اجتہاد کا حکم دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا: ولوردوه الى الرسول والى أولى الأمر منهم لعلمه الذين يستنبطونه منهم،ولولا فضل الله عليكم ورحمته لاتبعتم الشيطان الا قليلا"[۸] کہ "جو معاملات مسلمانوں کو پیش آئیں انھیں چاہیئے کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کے معاملہ فہم اصحاب کی طرف رجوع کریں تاکہ ان میں سے جو لوگ ان کا صحیح حل نکال سکتے ہیں وہ اس

---

۱ الترمذی، الجامع السنن، ابواب الصلاہ، باب ماجاء فی التثویب، حدیث نمبر: ۱۹۸

۲ ابن وضاح، البدع والنہی عنہا، مکتبہ ابن تیمیہ، قاہرہ ۱۴۱۶ھ، ۲/ ۸۴

۳ العینی، بنایہ شرح ہدایہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۰م، ۲/ ۵۸۵

۴ القرآن، سورہ الحدید، ۲۵:۵۷

۵ ایضا، سورہ البقرہ، ۱۸۵:۲

۶ ایضا، سورہ الطارق، ۱۳:۸۶

۷ ایضا، سورہ النساء، ۵۹:۴

۸ ایضا، ۸۳

طرح سے ان مسائل کا صحیح علم حاصل کریں اور اگر تم پر اللہ کا یہ فضل نہ ہوتا تو تم میں سے قلیل افراد کے علاوہ باقی لوگ شیطان کی پیروی کرتے" اس سے ثابت ہوا کہ جدید مسائل کو کتاب و سنت کے اصول کے مطابق حل کیا جائے گا تو وہ اللہ کا فضل ہو گا، خارج کی چیز اور بدعت نہیں ہو گی، ایسے فرمان نبوی ہے کہ "اذاحکم الحاکم فاجتهد ثم أصاب فله أجران،فاذاحکم فاجتهدثم أخطأ فله اجر"[۱] یعنی" جب حاکم نے فیصلہ کرتے ہوئے صحیح اجتہاد کیا تو اس کا دگنا ثواب ہے، اور اگر اجتہاد میں غلطی کی تو اس کا ایک اجر ہے" اس کے علاوہ بدعت کی بنیادی حدیث: "من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهو رد"[۲] میں "مالیس منه" کے الفاظ: قابل توجہ ہیں، امام ابن رجب لکھتے ہیں: فهذا الحدیث یدل بمنطوقه علی ان کل عمل لیس علیه امر الشارع فهو مردود ویدل بمفهومه علی ان کل عمل علیه امره ودینه وشرعه فهو غیر مردود....فمن کان عمله جاریا تحت احکام الشریعة فهومقبول[۳] یعنی" اس حدیث کا براہ راست مفہوم یہ کہ جو نئی بات شریعت کے مطابق نہیں وہ مردود ہے اور اس حدیث کا مفہوم مخالف یہ کہ جو بات اس سے مطابقت رکھتی ہے اور شرعی اصول کے تحت جاری ہوئی ہے وہ مقبول ہے، اسی طرح حدیث عرباض بن ساریہ کی روایت: "فعلیکم مماعرفتم من سنتی وسنة الخلفاء الراشدین"[۴] میں بھی "مماعرفتم" کے الفاظ اجتہادی اصول کو بیان کر رہے ہیں کہ جو مسائل دین میں بیان نہیں کئے گئے ان کے حوالے سے تمھیں میری اور خلفاء راشدین کی سنت پر غور و فکر کر کے اس کا فہم حاصل کرنا ہو گا اور وہ فہم تمھارے لئے اہم اور ضروری ہو گا۔

چنانچہ امام شافعی کا قول ہے کہ "المحدثات من الأمور ضربان,أحدهماأحدث یخالف کتابا أو سنة أوأثرا أو اجماعا فهذه البدعة الضالة, وما أحدث من الخیر لا خلاف فیه لواحد من هذا فهذه محدثة غیر مذمومة"[۵] یعنی نئے معاملات دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک وہ جنھیں قرآن، سنت، اثر صحابہ یا اجماع کے خلاف اختیار

---

۱ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاعتصام، باب اجر الحاکم، حدیث نمبر ۷۳۵۲

۲ القشیری، مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، کتاب الاقضیہ، باب نقض الاحکام الباطلہ، حدیث نمبر: ۱۷-۱۷۱۸

۳ رجب، جامع العلوم والحکم، دار ابن کثیر، دمشق، طبع اول، ۲۰۰۸ء، ص ۱۵۲

۴ احمد، المسند، حدیث العرباض بن ساریہ، حدیث نمبر: ۱۷۱۴۵، ۱۷۱۴۲

۵ البیہقی، المدخل الی السنن الکبری، تحقیق: محمد ضیاء الرحمن، اعظمی، دار الخلفاء للکتاب الاسلامی، کویت، ص: ۲۰۶

کیا جائے، یہی بدعت گمراہی ہے، اور جو امورِ خیر ان میں سے کسی بنیاد کے خلاف نہ ہوں وہ نئے معاملات مذموم نہیں ہوتے" یہ ٹھوس اور کھلے دلائل وبراہین ہیں جو بدعت اور اجتہاد کی حقیقت کو مختلف پہلوؤں سے اس طرح پیش کر رہے ہیں کہ ان میں سے کسی کے انکار یا شک وشبہ کیا اور ان کو باہم مخلوط اور مشترک کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی، بلکہ یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ احکام میں ان دونوں کے مابین فرق کیا جائے۔

بدعت کا مفہوم اور دائرہ کار

امام راغب اصفہانی نے بدعت کی یہ تعریف کی ہے:"البدعة فی المذهب ایراد قول لم یستن قائلها وفاعلها فیه لصاحب الشریعة وأماثلها المقدمة وأصولها المتقنة"[1] یعنی اصطلاحی طور پر بدعت وہ قول و عمل ہے جو صاحب شریعت ﷺ کی سنت، سابقہ تمثیل اور شرعی اصول کے خلاف ہو" امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:"البدعة فی الدین مالم یشرعه الله ورسوله"[2] کہ " دین میں بدعت ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کا حکم اللہ تعالی اور ان کے رسول ﷺ نے نہ دیا ہو" حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ماأحدث ولیس له أصل فی الشرع[3] یعنی"وہ نئی بات جس کی کوئی شرعی بنیاد نہ ہو۔"

یہ تعریفات ایک لحاظ سے جامع ہیں اور بنیادی تصور کی جاتی ہیں، تاہم ان سے بدعت اور اجتہاد کا تفصیلی فرق اور ان کی ذیلی صورتوں اور اقسام کا فرق اور مختلف صورتوں کی ترجیح کا معاملہ واضح نہیں ہوتا۔ اس لیے اس میدان میں امام شاطبی کی خدمات کو امتیاز حاصل ہے کہ انہوں نے بدعت اور اجتہاد کی دقیق صورتوں کو زیر بحث لا کر مرتب شکل دی ہے۔ مقالہ نگار ان کی توضیحات کی روشنی میں بدعت اور اجتہاد کی تفصیل پیش کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

امام شاطبی تحریر فرماتے ہیں کہ"هی طریقة فی الدین مخترعة تضاهی الشریعةیقصد بالسلوک علیها مایقصد بالطریق الشرعیة"[4] یعنی دین میں وہ خود ساختہ طریقہ اختیار کرنا جو شریعت کے حکم سے ظاہری مشابہت رکھتا ہو اور اس کو عمل میں لانے کا وہی مقصد اور ارادہ ہو جو ارادہ شرعی احکام پر عمل کرنے کا ہوتا ہے۔ مذکورہ تعریف میں مندرجہ ذیل چار شرائط بیان کی گئی ہیں۔

---

۱ راغب الاصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، دار القلم، دمشق، طبع اول ۱۴۱۲ھ، مادہ بدع، ص ۱۱۱

۲ ابن تیمیہ، مجموع الفتاوی، مجمع الملک فہد، مدینہ منورہ، ۱۹۹۵ء، ۷/۱۰۷

۳ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، دار المعرفہ، بیروت، ۱۳۷۹ھ، ۱۳/۲۵۳

۴ الشاطبی، الاعتصام، دار ابن عفان، السعودیہ، طبع اول، ۱۹۹۲ء، ۱/۵۱

دینی طریقہ

دینی طریقہ کا مطلب یہ ہے کہ اس کا تعلق انسانی حیات کے آداب و سماجی امور سے ہو، نہ کہ مادی ضروریات سے، لہذا جو امور مادی طور پر سماجی وسائل کے اعتبار سے اختیار کئے جاتے ہیں وہ بدعت نہیں ہیں۔ اور انہیں شریعت کا حصہ نہیں سمجھا جاتا، وہ شریعت کی مطابقت کی شرط کے ساتھ جائز قرار پاتے ہیں۔

خود ساختہ طریقہ

خود ساختہ طریقہ سے مراد یہ ہے کہ دین میں اس کی اصل اور تمثیل موجود نہ ہو، اسی بات کو جامع تعریف کے طور پر امام راغب اصفہانیؒ اور ابن حجرؒ نے لکھا تھا۔ اس شرط سے اجتہاد اور بدعت کا راستہ الگ ہو جاتا ہے کیونکہ اجتہاد کی شرعی بنیاد موجود ہوتی ہے اور بدعت کی وہ بنیاد نہیں ہوتی بلکہ وہ ایک من گھڑت عمل ہوتا ہے، اس شرط سے وہ علوم و فنون بدعت سے خارج ہو جاتے ہیں جو دین اسلام کی حفاظت اور خدمت کے لیے عہد صحابہ سے زمانہ حال تک اختیار کئے جاتے ہیں، ان علوم کا حکم قرآن و سنت میں ضمنی طور پر موجود ہے جیسے عربی گرائمر، علم بلاغت، علم لغت، اصول تفسیر، اصول حدیث، اصول فقہ، جیسا کہ صحابہ کرام نے قرآن کو مدون کیا، جمع حدیث کا آغاز کیا، خلافت اسلامیہ کو مرتب و منتظم کیا اور کئی جدید مسائل کا حل پیش کیا۔

شریعت سے ظاہری مشابہت

اس سے مراد یہ ہے کہ وہ عمل ظاہری طور پر شریعت سے مشابہت رکھتا ہو مگر حقیقت میں شریعت کے منافی ہو۔ امام شاطبیؒ نے اس کی متعدد صورتیں بیان کی ہیں: مثلاً کسی شرعی حکم میں اپنی طرف سے نئی حدود وضع کرنا جیسے ایک شخص کسی خاص وضع قطع کے لباس کو شرعی لباس کے طور پہنتا ہو۔ دوسری صورت یہ کہ کسی عبادت یا نیکی کے کام میں اپنی طرف سے اضافہ کرنا یا غیر ضروری کو ضروری قرار دیتا ہے جیسے اجتماعی ذکر کی مخصوص صورتیں وضع کر کے انھیں زیادہ اجر کا مستحق سمجھنا۔ یا ولادت رسول ﷺ کو تیسری عید کے طور پر منانا۔ تیسری صورت یہ کہ کسی عبادت کے لئے اپنی طرف سے مخصوص ایام کی شرط عائد کرنا، جیسے نصف شعبان کی شب کا قیام اور دن کا روزہ مستقل طور پر تجویز کرنا۔ اس پر امام شاطبی نے ایک اہم بات لکھی ہے کہ ''فلو كانت لاتضاهي الامور المشروعة لم تكن بدعة لانها تصير من باب الافعال العاويه''[1] کہ "ان اعمال میں اگر شرعی امور سے مشابہت کا کوئی عنصر موجود نہ ہو تو یہ اعمال اضافہ کے باوجود بدعت نہیں ہوں گے بلکہ وہ عادی اعمال ہوں گے۔"

---

۱ الشاطبی، الاعتصام، دار ابن عفان، السعودیہ، طبع اول، ۱۹۹۲ء، ص ۵۳

مذکورہ عبارت میں عادی کا مطلب یہ ہوا کہ وہ امور اتفاقی طور یا کسی ظاہری سبب کی وجہ سے ہوں گے۔ مثلاً سابقہ مثالوں کے حوالے سے کہا جاسکتا ہے کہ ایک شخص روزہ کے دوران مصروفیت کی وجہ سے یا اتفاقی طور پر روزے کے دوران نہیں بیٹھا یا کسی نے اتفاقاً یا کسی خاص مناسبت سے شرعی حیثیت کے بغیر کالا یا سبز لباس پہنا تو یہ بدعت نہ ہوگی۔ یہی حال ہمارے زمانے میں عید کی نماز کے بعد معانقہ، نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا یا نماز سے قبل بلند آواز سے نیت کرنے کا ہے۔ اسی طرح عصر حاضر کے بعض مسائل جو بعض فرقوں کی علامت کے طور پر معروف ہیں۔ ان کا بھی یہی حکم ہوگا مثلاً نماز جنازہ کے بعد کی دعا مانگنا ایک فرقہ کی علامت ہو اور دعا نہ مانگنا دوسرے فرقہ کی علامت ہو، تب دونوں صورتوں کو جان بوجھ کر اختیار کرنا اور ان پر جھگڑے کرنا، اس اعتبار سے غور کیا جائے تو دعا کے وجود اور عدم کا تلازم، دونوں حیثیتوں سے بدعت قرار پاتا ہے، کیونکہ اسلام میں نہ ہی دعا کا حکم ہے اور نہ ہی ترک دعا کا حکم ہے اور اس کے بعد اس حوالے سے فریقین کا ایک دوسرے سے جھگڑنا، طعنے دینا، بد اخلاقی و بدگوئی کرنا، بغض و حسد رکھنا اور پھر اس میں اس حد تک شدت کا پیدا ہونا کہ وہ مستقل انقطاع و تفرقہ بندی بلکہ دہشت گردی کی شکل اختیار کرلے تو یہ اسلامی تعلیمات کی کھلی بغاوت اور پوری انسانیت کے لئے المناک ہے۔

مقتضیاتِ زمانہ کو حکم شرعی کے مساوی سمجھنا

مقتضیات یعنی جن چیزوں کو عادت یا ضرورت اور جدید دور کے تقاضوں کے تحت اپنایا جاتا ہے خواہ وہ عبادات سے متعلق ہوں یا معاملات زندگی سے، وہ شرعی اباحت کے وسیع تر تصور کے تحت جائز ہیں، لیکن یہ ضروری ہے کہ ان کو شرعی احکام کے برابر نہ سمجھا جائے۔ انہیں اگر شرعی منقول احکام کی طرح سمجھا گیا تو وہ بدعت بن جائیں گے، اس کو امام شاطبی نے یوں واضح کیا: "العادات من حيث هي عادة لابدعة فيها ومن حيث يتعبد بهاأوتوضع وضع التعبد تدخلها البدعة "[1] "عادات میں ذاتی طور پر بدعت نہیں ہے، ہاں ان کو بطور عبادت کے اختیار کیا گیا یا ان کو عبادت کی شکل دی گئی تو ان میں بدعت داخل ہو جائے گی"۔ مذکورہ بحث کو مجموعی طور پر پیش نظر رکھا جائے تو بدعت کی تین اقسام سامنے آتی ہیں:

اقسام بدعت

مذکورہ بحث کو مجموعی طور پر پیش نظر رکھا جائے تو بدعت کی مندرجہ ذیل تین اقسام سامنے آتی ہیں:

---

۱ الشاطبی، الاعتصام، دار ابن عفان، السعودیہ، طبع اول، ۱۹۹۲ء، ۲/ ۵۹۴، ۵۶۸

عباداتی بدعت

وہ بدعت جو عبادات میں اضافہ یا کمی کے طور یا کسی بھی غیر مسنون مباح عمل کو بطور عبادت اختیار کرنے کی صورت میں وجود پذیر ہوتی ہے۔ یہ عباداتی بدعت کی دو صورتیں ہیں۔ ان میں سے اول کو امام شاطبی نے "بدعت حقیقہ" اور دوسری صورت کو "بدعت اضافیہ" کا نام دیا ہے چنانچہ "بدعت حقیقہ" کی تعریف میں انہوں نے لکھا ہے:
''التی لم یدل علیھا دلیل شرعی ولا استدلال معتبر عند اھل العلم بل ھی مخترعة علی غیر مثال سابق"[1] یعنی "وہ عمل ہے جس کی شرعی واضح دلیل یا شرعی اصول واستدلال موجود نہ ہو بلکہ اسے بغیر کسی بنیاد کے اختراع کیا گیا ہو"، یہ اختراع دین میں اضافہ اور کمی دونوں طرح سے ہوتا ہے اس میں سے دینی کمی کو امام شاطبی نے بدعت ترکیہ کا نام دیا ہے جیسے ایک شخص بیماری کے بغیر محض تقوی کی بنا پر گوشت کھانا ترک کر دیتا ہے۔ جبکہ "اضافی بدعت" سے مراد یہ کہ بنیادی طور پر وہ عمل شریعت میں مباح ہو لیکن اس عمل کو جس مخصوص انداز اور حدود و شرائط سے ادا کیا جاتا ہو اس کی مکمل کیفیت شریعت میں موجود نہ ہو، اس کی دو جہتیں ہیں، ایک لحاظ سے اس کی شرعی دلیل موجود ہے کیونکہ شریعت میں مباح ہے اور دوسری جہت سے وہ بدعت حقیقی کی طرح ایک اضافہ ہے۔ امام شاطبی کے بقول "اس طرح کے عمل کو مسنون عمل سمجھنے والے لوگ اپنے طور پر زبردستی سے تکلفات و تاویلات کے ذریعے مسنون اعمال میں داخل کرنے کی ناکام کوشش کرتے رہتے ہیں یا ضعیف اور موضوع احادیث کا سہارا لیتے ہیں۔[2]

معاملاتی بدعت

بدعت کی دوسری قسم یہ کہ غیر عباداتی احکام یعنی زندگی کے آداب اور معاملات میں شرعی حکم کو اپنی مرضی سے تبدیل کرنا۔ جیسا کہ امام ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں: أماالمعاملات کالعقود والفسوخفما کان منھا یتغیر للاوضاع الشریعة کجعل حدالزنا عقوبة مالیة وما اشبه ذالک فانه مردود من أصله"[3] "عقود و فسوخ جیسے معاملات جو شریعت میں مسنون و منصوص ہیں ان میں کسی قسم کی تبدیلی لانا مردود ہے، مثال کے طور پر شریعت

---

۱ الشاطبی، الاعتصام، دار ابن عفان، السعودیہ، طبع اول، ۱۹۹۲ء، ۱/ ۳۶۷

۲ ایضا، ص، ۲۲۰

۳ ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ص ۱۵۷

میں زنا کی حد مقرر ہے تو اس کو مالی سزا کی صورت میں تبدیل کرنا بدعت شمار ہو گا۔" اس لحاظ سے امام ابن تیمیہ نے جو قاعدہ کلیہ لکھا ہے اس سے بھی اس کی وضاحت ہوتی ہے۔

"الاعمال عبادات وعادات فالأصل فی العبادات أنه لایشرع منها الاما شرعه الله والأصل فی العادات أنه لایحظر منها الا ماحظر الله۔"[1]

اعمال کا تعلق عبادات وعادات دونوں سے ہے، عبادات کی اصل یہ کہ ان میں صرف اللہ کے حکم کی بنیاد پر عمل اختیار کیا جا سکتا ہے اور عادات کی اصل یہ کہ جس سے اللہ تعالی منع فرما دیں صرف وہی ممنوع ہو گا۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ بدعت کا تصور عبادات اور معاملات وعادات دونوں سے ہے لیکن دونوں کا فرق یہ ہے کہ جو اعمال عبادت کے طور پر اختیار کئے جائیں ان میں واضح شرعی حکم ہونا ضروری ہے ورنہ وہ بدعت ہوں گے اور جہاں تک آداب زندگی اور معاملات کا تعلق ہے تو ان میں اباحت کا وسیع تصور موجود ہے اس لیے آداب و معاملات میں جو شرعی احکام اور مسنون اعمال موجود ہیں ان میں تبدیلی لانا بدعت ہو گا اور ممنوعات شرعیہ سے بھی اجتناب ضروری ہو گا اور جن امور میں شریعت خاموش ہے وہ مباح اعمال ہیں، جنکا تذکرہ آگے آرہا ہے۔

مباحاتی بدعت

مباحاتی بدعت یہ ہے کہ آداب زندگی اور معاملات میں شرعی اباحت کے وسیع میدان میں مداخلت کرتے ہوئے غیر مسنون وغیر منصوص مباح اعمال کو شرعی احکام کے طور پر پابندی کے ساتھ اختیار کرنا اور بلاضرورت انہیں وہی درجہ اور وہی اہمیت دینا جو اہمیت شریعت میں نبی علیہ السلام کی سنن کو دی جاتی ہے تو یہ اعمال بدعت شمار ہوں گے، جبکہ ضرورت اس کی ہے کہ مباح کو مباح کے درجہ پر رکھا جائے ضرورت کے طور پر اسے جواز کے درجے میں اختیار کیا جائے اور اس فرق کو ملحوظ رکھا جائے۔ ورنہ وہ از خود ایک شرعی اضافہ قرار پا کر بدعت شمار ہو گا۔

اجتہاد کا مفہوم اور دائرہ کار

مذکورہ بالا سطور میں یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ جب کسی مسئلہ میں موافقت ومخالفت میں کوئی واضح شرعی دلیل نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ اور اصحاب رسول کو غور وفکر، مشاورت اور اجتہاد کا حکم دیا جسے قرآن

---

[1] ابن تیمیہ، مجموع الفتاویٰ، ۴/ ۱۹۴

مجید میں استنباط کا نام دیا گیا ہے[۱]، متقدمین فقہاء نے اس کی یہ تعریف کی "اسْتِفْرَاغِ الْوُسْعِ فِي طَلَبِ الظَّنِّ بِشَيْءٍ مِنَ مِنَ الْأَحْكَامِ الشَّرْعِيَّةِ عَلَى وَجْهٍ يُحَسُّ مِنَ النَّفْسِ الْعَجْزُ عَنِ الْمَزِيدِ فِيهِ"[۲] کہ ایک مجتہد کا حتی الوسع انتہائی کوشش کر کے کسی شرعی مسئلہ کا حل تلاش کرنا اجتہاد ہے" اور اس کے لیے یہ ضروری قرار دیا گیا کہ اجتہاد قرآنی اصولوں اور نبی اور اصحاب النبی کے طریقے کے مطابق ہو، چنانچہ ڈاکٹر وھبہ زحیلی لکھتے ہیں کہ "هوعملية لاستنباط الاحكام الشرعية عن أدلتها التفصيلية"[۳] کہ شرعی احکام کو تفصیلی دلائل سے اخذ کرنے کا عمل اجتہاد ہے" اس حوالے سے کتاب و سنت کے جن اجتہادی اسالیب کو فقہاء کرام نے متعارف کرایا ہے انہیں دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے جس سے بدعت اور اجتہاد کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔

اجتہاد کا پہلا حصہ شرعی نصوص کی دلالات اور اشارات سے تعلق رکھتا ہے جس کی حدود و شرائط کو فقہاء نے منضبط کر دیا ہے اور اس طریقے سے وہ قرآن و سنت سے مسائل کا استنباط کرتے ہیں۔ اجتہاد کا دوسرا حصہ شرعی اصول و قواعد کا ہے ان میں قیاسی تعلیل، شرعی مقاصد و مصالح، فتح الذرائع اور عرف جیسے اصولشامل ہیں۔ یہ وہ اسالیب ہیں جن کو قرآنی نصوص اور رسول اللہ اور اصحاب رسول کے طرز عمل میں بارہا اختیار کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ کہ جس مسئلہ میں قرآن و سنت کی صریح دلیل موجود نہ ہو مگر اس سے مشابہت رکھنے والے ایک اور مسئلہ میں ایسی توجیہ و تعبیر موجود ہو جسے شریعت نے بطور توجیہ کے اختیار کیا ہو تو ہم مشابہت رکھنے والے اس جدید مسئلہ میں بھی اس توجیہ و تعلیل کو اختیار کرسکتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں انسانی زندگی کی حفاظت کے لیے قصاص کا حکم دیتے ہوئے اس کی توجیہ اور حکمت بھی ظاہر کر دی ہے "وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ-"[۴] کہاے عقلمند و قصاص میں تمہاری زندگی ہے، تاکہ تم پرہیز گار بنو۔ اب اسی تعلیل کے تحت فقہاء نے ایک جدید فلاحی ریاست کے ان تمام اقدامات کو صحیح قرار دیا ہے جو عوام کی فلاح و بہبود صحت، تعلیم اور آزادی کے حصول کے لیے اختیار کئے ہوں، خواہ ان کی وجہ سے وقتی طور پر کسی کا انفرادی نقصان کیوں نہ ہو بشرطیکہ ان معاملات میں کسی شرعی حکم کی مخالفت، کسی قسم کی بدنیتی اور کسی بڑے نقصان کا خدشہ موجود نہ ہو۔

---

۱ القرآن، سورہ النساء، ۴: ۸۳

۲ الآمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، المکتب الاسلامی، بیروت، تاریخ ندارد، ۴/۱۶۲

۳ وہبہ الزحیلی، اصول الفقہ الاسلام، دار الفکر، دمشق، طباعت ۱۷، ۲۰۰۹ء، ۲/۳۲۷

۴ القرآن، سورہ البقرہ، ۲:۱۷۹

اسی طرح فقہاء کرام نے مصالح مرسلہ کے اصول کے تحت نئے مسائل کا حل تلاش کرنے کے لیے ان میں کسی شرعی حکم کے ساتھ ایسی مناسبت ضروری قرار دی جو شرعی مقاصد و منافع کے حصول یا شرعی مفاسد سے اجتناب میں مددگار ثابت ہو، محض رائے کی پیروی کا شائستہ تک موجود نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ جب احناف نے استحسان کو بطور دلیل اختیار کیا تو امام شافعیؒ نے ہوائے نفس کے التباس کی بنا پر اس کی مخالفت کی اور بعد کے فقہاء نے یہ تسلیم کیا کہ یہ نزاع لفظی ہے اور استحسان دراصل قیاس خفی ہے اسے ایک شرعی اصول اور دلیل کے طور پر اصول شرائط و حدود کے ساتھ عمل میں لایا جاتا ہے اور اسے بدعت اور ہوائے نفسانی نہیں قرار دیا جاسکتا۔"١

اس تناظر میں دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جب صحابہ کرام اپنے اجتہاد سے قرآنی مصحف اور نماز تراویح کا قیام عمل میں لائے تو ان اعمال کو بدعت حسنہ کہا گیا لیکن یہ اعمال بدعت ہرگز نہیں بلکہ ان کی بنیاد صحابہ کرام کے اجتہادی قیاس اور مصالح مرسلہ پر ہے، اسی کو حدیث مبارکہ میں سنت حسنہ ٢ کہا گیا ہے اور وہ صحابہ کرام سے خاص نہیں بلکہ اجتہاد قیامت تک کے لیے جاری ہے۔یہی بات حدیث میں بتائی گئی "دع ما یریبک الی مالا یریبک"٣یعنی اجتہاد کرتے ہوئے جو مشکوک حکم معلوم ہو اسے چھوڑ دیا جائے اور ایسی غیر مشکوک رائے قائم کی جائے جو شرعی اصول و قواعد کے مطابق ہو، اور یہ بھی آپ نے فرمایا کہ "الاثم ما حاک فی صدرک"٤ کہ جس معاملہ میں آپ کا دل متردد اور مشکوک ہو وہ گناہ ہے۔اس سے ثابت ہوا کہ اجتہاد کے لئے اصولی مطابقت کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ استدلال کی مضبوطی پر مجتہد کو قلبی اطمینان حاصل ہو، ورنہ اس کی رائے کی حیثیت محض ظن، تمنا اور خواہش کی ہوگی، واضح ہو کہ اسلام کے عہد اول سے لے کر آج تک فقہ اور اجتہاد کے موضوع پر قواعد مرتب کرنے اور کتابیں تصنیف کرنے کا اصل مقصد ہی یہی ہے کہ اللہ اور ان کے رسول ﷺ کے خالص احکام کو بدعت سے جدا کیا جائے، اگر جدید احکام میں بدعت کا خدشہ نہ ہوتا تو اس قدر محنت کرنے اور صلاحیتیں صرف کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

---

١ السقات، علوی بن عبد القادر، مختصر کتاب الاعتصام، دار الھجرۃ للنشر والتوزیع، طباعت اول، ١٩٩٧ء، ١/ ١١٢۔

٢ القشیری الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب من سن سنۃ حسنۃ، حدیث نمبر: ١٥-١٠١٧

٣ احمد، المسند، حدیث الحسن بن علی، حدیث نمبر: ١٧٢٣، قال الشیخ شعیب ارنووط: اسنادہ صحیح۔

٤ القشیری، الجامع الصحیح، کتاب البر، باب تفسیر البر، حدیث نمبر: ١٤-٢٥٥٣۔

- خلاصہ کلام یہ کہ اسلام کا جو دائرہ کار ہے وہی دائرہ کار اجتہاد اور بدعت کا ہے، اسلام مکمل نظام حیات ہے جو عقائد، عبادات واخلاق، انسانی انفرادی زندگی کے آداب اور اجتماعی و سماجی تمام معاملات یعنی عائلی زندگی، معاشیات، سیاسیات، عدلیہ اور بین الاقوامی ضوابط واحکام پر مشتمل ہے، اور حیات انسانی کا کوئی شعبہ اس میں متروک نہیں، اسی طرح بدعت اور اجتہاد کا تعلق بھی انہیں تمام امور سے ہے اور کوئی شعبہ ان کے دائرہ سے خارج نہیں ہے۔
- دوسرا کلیہ یہ معلوم ہوا کہ اسلام نے ان تمام، شعبوں کے متعلق جو اصول و احکام صراحت کے ساتھ بیان کئے ہیں ان میں کمی اور زیادتی کا کوئی تصور قبول نہیں کیا جاتا، بلکہ ان میں ہر قسم کی تبدیلی بدعت ہے اور اس میں اجتہاد کی گنجائش نہیں۔ البتہ جان کا خطرہ ہو تو کلمہ کفر اور لقمہ حرام کی اجازت کو قلبی ناپسندیدگی اور صرف جان بچانے کی حد تک کی ایک قلیل مقدار کی شرائط سے محدود و مشروط کر دیا گیا۔
- تیسرا ضابطہ یہ کہ جدید تقاضوں کے تحت جو مسائل درپیش ہوں ان میں سے کچھ باتیں وہ ہیں جو شرعی نصوص میں موجود ہیں مگر غیر واضح طور پر ہیں اور دوسرے وہ امور ہیں جن کا سرے سے کوئی تذکرہ موجود نہیں، ان کے حل کے لئے شرعی منصوص اشارات اور اصول موجود ہیں جن کی روشنی میں صرف اھل علم و تقوی کو اجتہاد کی اجازت دی گئی ہے۔
- چوتھا اصول یہ کہ اجتہادی نکتہ نگاہ سے عقائد و عبادات اور آداب و معاملات میں فرق کیا گیا ہے کہ عقائد و عبادات میں بنیادی طور پر مجتہد کا کوئی دخل نہیں ہے اور ان میں تبدیلی کرنا بدعت ہے، اور اس کی مزید تفصیل یہ کہ بنیادی واضح عقائد کی تبدیلی کو تحریف دین اور کفر قرار دیا گیا اور عقائد کی فروعات میں خود ساختہ قیل و قال کو گمراہی اور اعتقادی بدعت کہا گیا، اور عبادات کے صریح احکام کی تبدیلی کو انحراف، گمراہی اور عملی بدعت کہا گیا۔ جبکہ بعض فروعی، ذیلی اور غیر واضح عقائد وعبادات میں جہاں پر مختلف نصوص کی دلالات کا التباس یا اخبار آحاد کے ثبوت اور ان کی تعبیرات کا اختلاف ہو تو اصول کی بنیاد پر اہل علم کے اختلاف رائے یا توقف کی گنجائش قبول کی گئی ہے۔ اسی طرح ایسا خود ساختہ عباداتی عمل جو اتفاق، عادت یا ضرورت کے تحت جزوی، انفرادی اور غیر مستقل طور پر اختیار کیا گیا ہو اور اس سے کسی شرعی حکم کی مخالفت بھی نہ ہو تو اسے بدعت نہیں قرار دیا گیا۔

- پانچواں کلیہ یہ کہ انفرادی اور اجتماعی مسائل، آداب اور معاملات کے متعلق شریعت کے منصوص اور مسنون اعمال میں کمی اور اضافہ متفقہ طور پر بدعت ہے، البتہ اس حوالے سے دو چیزیں قابل ذکر ہیں: اول: ہر زمانے کے وہ مادی اسباب و وسائل، آلات وایجادات، علمی معاون افکار، متعلقہ سر گرمیاں اور عصری علوم وفنون جن کی وجہ سے اسلامی عقائد وعبادات میں کوئی کمی یا اضافہ نہیں ہوتا، کسی حکم کی مخالفت نہیں ہوتی بلکہ ان کی مدد سے دین کو فروغ ملتا ہے تو امت مسلمہ کا اجماع ہے کہ یہ بدعت نہیں بشرطیکہ ان وسائل کو عبادت کے طور پر عمل میں نہ لایا جائے۔ دوم: وہ اعمال ہیں جو انفرادی یا اجتماعی، مادی یا دینی ضرورت اور جدید زندگی کے تقاضوں کے تحت اختیار کئے جائیں بشرطیکہ وہ شرعی اصول کے مطابق جائز اور مباح ہوں، ان کی وجہ سے کسی شرعی حکم کی مخالفت نہ ہو، اسلامی معاشرے کے قیام میں کوئی خلل واقع نہ ہو اور ذہنی طور پر ان اعمال کو منصوص احکام سے خلط ملط بھی نہ کیا جائے تو ان شرائط کی موجودگی میں ان اعمال پر بھی بدعت کا اطلاق نہیں ہوتا، اور یہی ہیں وہ جدید مسائل جن کو بعض احادیث مبارکہ، آثار صحابہ اور اقوال ائمہ میں لغوی اعتبار سے سنت حسنہ اور بدعت حسنہ کہا گیا ہے۔

معلوم ہوا کہ بدعت کی مذمت اور بھرپور ممانعت کا حکم دین کا بنیادی اصول اور دینی قلعہ کا محافظ ہے جو دین کے ناموافق امور کو داخل کرنے سے روکتا ہے اور اجتہاد کا نظریہ دینی وسعت کا نگران ہے جو دین سے موافقت رکھنے والے غیر مذکور احکام کو شرائط کے ساتھ اس طور پر قبول کرتا ہے کہ وہ احکام دین کے وسیع تر مفہوم میں شامل ہوتے ہیں، جیسا کہ فرمان رسول ﷺ ہے کہ "الحکمة ضالة المؤمن" کہ دانائی ہر مومن کی گمشدہ متاع ہے۔

بین المذاہب ہم آہنگی کی ضرورت اور معاصر فقہاء کی ذمہ داری

مقالہ ہذا کا مرکزی نکتہ اور خلاصہ یہ ہے کہ امت ہر حال میں قرآن وسنت کی پابند رہے اور کتاب وسنت کی تشریح اور ان پر عمل کے بارے میں صحابہؓ کرام اور ائمہ واسلاف کے منہاج پر کاربند رہے۔ جو لوگ اس متوارث اور متواتر طرزِ فکر و عمل کے خلاف نئی باتیں پیش کریں اور امت کو انتشار میں مبتلا کریں حکمت کے ساتھ ان کی تردید کی جائے، اس کے ساتھ بدعت واجتہاد کے مفہوم اور ان کی شرعی حیثیت کو مسلمانوں میں عام کیا جائے، دینی

---

۱ ابن ماجہ، السنن، کتاب الزہد، باب الحکمہ، حدیث نمبر: ۴۱۶۹

ضروریات، حاجیات، تحسینیات، دینی ممنوعات اور دینی تقاضوں کا فرق اجاگر کیا جائے تاکہ اہل اسلام میں دینی وابستگی اور سنت نبوی کا ذوق مستحکم ہو اور وہ ذہنی عیاشیوں، ذاتی و عقلی دلچسپیوں اور غیر فطری و بیرونی اثرات قبول کرنے سے گریز کریں، رائے کی آزادی کا احترام کرتے ہوئے اس کو بھی ملحوظ رکھیں کہ کسی عمل کے بدعت ہونے اور بدعت نہ ہونے میں اہل علم کا اختلاف بھی ممکن ہے، اس لئے اپنا موقف صبر و اخلاق سے پیش کیا جائے اور امت میں تفریق نہ پیدا کی جائے۔ جامعات و مدارس کے اساتذہ کرام اور تمام اہل علم اپنے اپنے دائرہ کار میں امت کے اندر موجود افراط و تفریط کے حوالے سے شعور اجاگر کرتے ہوئے طلبہ اور اپنے متعلقین کی تربیت کریں۔ حالات کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ کام پہلے سے زیادہ باقاعدگی کے ساتھ مربوط و مسلسل انداز میں کیا جائے اور اس کے لیے کوئی مناسب لائحۂ عمل طے کیا جائے۔ مقالہ کے حساس موضوع کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ بات مستحضر رکھنا نہایت ضروری ہے کہ ہمارا مقصد مذاہب اسلام کو قریب کرنا اور ملت کو اتحاد کا پیغام دینا، اختلاف و انتشار کو ختم کرنا اور اس کے لیے سنجیدہ عملی کوششیں کرنا ہے، اس کو بڑھاوا دینا نہیں ہے۔

عصر حاضر کے تناظر میں صائب الرائے افراد کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ امت کو علمی و فکری اعتبار سے نئے نئے مسائل میں الجھانے والے لوگوں سے آگاہ کریں اور مقدور بھر کوشش کریں کہ امت بدعات و خرافات اور نت نئے افکار و اجتہادات سے محفوظ رہے۔ یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ یہ کام امتِ مسلمہ کا اندرونی معاملہ ہے، ہمیں ان اختلافات کو آپس میں سلجھانے کی کوشش کرنی چاہیئے اور ایسے کسی بھی طرزِ عمل سے پرہیز کرنا چاہیئے جس سے اسلام دشمن طاقتیں فائدہ اٹھا سکیں۔ کیا ہی عمدہ بات ہو کہ ہم اپنے فروعی اختلافات کو اپنے گھر تک محدود رکھیں اور دشمنوں کے مقابلہ میں ایک متحد امت کا کردار پیش کریں۔ اختلافی فروعی مسائل میں شدت سے اجتناب کرتے ہوئے جن مسائل میں ایک سے زائد آراء کی گنجائش ہے ان مسائل میں جمہور علمائے امت کا طرز فکر اپناتے ہوئے کسی ایک پہلو کو حق اور دوسرے کو باطل قرار دینے کی پالیسی کو ترک کرنے کی ضرورت ہے۔

جہاں تک اختلافی مسائل میں وسعت اور اجتہادی صلاحیت رکھنے والے افراد کے الگ الگ موقف رکھنے کی گنجائش کا مسئلہ ہے، اس کے لئے سب سے واضح دلیل غزوہ بنو قریظہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کا وہ طرزِ عمل ہے جو آپ نے حضراتِ صحابہ کی ان دونوں جماعتوں پر نکیر نہ فرما کر پیش کیا، جن میں سے ایک جماعت نے عصر کی نماز بنو قریظہ میں پہنچ کر پڑھنے کے حکم پر اس طرح عمل کیا کہ وقت ختم ہونے کے باوجود راستے میں عصر ادا نہیں کی؛ جبکہ دوسرے فریق نے یہ سمجھا کہ مقصود جلد پہنچنا تھا لیکن جب راستے میں عصر کی نماز فوت ہونے کا خطرہ ہے تو راستے ہی

میں نمازِ عصر ادا کر لینا ضروری ہے۔ آپ ﷺ نے کسی فریق پر نکیر نہ فرما کر یہ واضح فرمادیا کہ امت میں اجتہاد کی صلاحیت رکھنے والے لوگ اگر ایک ہی نص کو دو طریقے سے سمجھتے ہیں اور اس کی بناء پر ایک دوسرے سے بالکل مختلف رائے رکھتے ہیں تو کسی پر ملامت نہیں کی جاسکتی۔ اس طرز عمل کی روشنی میں ائمہ واسلاف کا طرز عمل یہی رہا کہ اختلافی مسائل میں تشدد نہ اختیار کیا جائے، بالخصوص جن مسائل میں ایک سے زائد موقف ہوسکتے ہیں، ان میں کسی ایک کو متعین طور پر حق اور دوسرے کو حتمی طور پر باطل قرار نہ دیا جائے۔

حریت فکر اور کار اجتہاد

اجتہاد کی، تعریف نوعیت اور دائرہ کار کو ذہن میں رکھیں تو اس کا ایک وسیع تر مفہوم سمجھ میں آتا ہے کہ کسی مسئلے میں قرآن وسنت کا واضح حکم نہ ملے تو نصوص کی روشنی میں قیاس اور استنباط کرتے ہوئے یا مصالح اور مقاصد شریعت کو سامنے رکھتے ہوئے مجتہد ایک رائے قائم کرکے اس مسئلے کا حل پیش کرتا ہے، چونکہ یہ عملاً ممکن نہیں تھا کہ دین کی ہر بات پوری تفصیل کے ساتھ قرآن مجید میں بیان کردی جاتی۔ اس لئے دین اسلام کو قیامت تک کے لئے قابل عمل بنانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں یہ حکیمانہ طریقہ اختیار فرمایا کہ جن بنیادی امور کی وضاحت کئے بغیر چارہ نہ تھا اس کے لئے مستقل اور ناقابل تغیر نصوص نازل فرمادیں اور بہت سی چیزوں کی وضاحت نبی کریم ﷺ نے فرمادی اور وہ جزو دین بن گئیں اور جن امور کو حالات کے ساتھ بدلنا تھا ان میں پالیسی امور طے فرما کر تفصیلات کا تعین امت کے اہل علم، ماہرین اصول فقہ اور مصالح کا ادراک رکھنے والے مجتہدین پر چھوڑ دیا، تاکہ وہ مسلمانوں کے لیے ان کی انفرادی واجتماعی اصلاح اور فلاح کے پیش نظر اجتہادی فیصلے کریں۔

خصوصاجب کسی معاملہ میں اور اس کے خلاف نص موجود نہ ہو۔ اور ایسا کرنے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ زیر بحث معاملہ کی تحسین مقاصد شریعت کو پورا کرنے، عوام کے لیے نفع بخش ہونے اور ان کے لئے آسانی ونرمی پر مبنی ہونے کی بنا پر خود نص قطعی سے ثابت ہو رہی ہوتی ہے، اور اس کے ساتھ اجتہاد چونکہ کسی نہ کسی علت پر مبنی ہوتا ہے، اس لئے "الحكم يدور مع العلة" کے قاعدے کے پیش نظر جب حالات کے بدل جانے سے علت بدل جاتی ہے تو حکم بھی بدل جاتا ہے۔

اجتہاد کے وسیع دائرے کے ذکر کے بعد ذہن میں سوال ابھرتا ہے کہ کیا" تجدد اور دین کی نئی تعبیر" کی اصطلاحات اجتہاد کے تحت اس کی اقسام میں شامل ہیں یا یہ تصورات بدعت کی طرح اجتہاد کے برخلاف کوئی اور مفہوم رکھتے ہیں۔ مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ بدعت اجتہاد نہیں ہے کیونکہ اجتہاد یا تو قرآن وسنت کی

نصوص پر قیاس یا ان سے استنباط پر مبنی ہوتا ہے یا ایسی ادلہ اور امارات کی مدد سے کیا جاتا ہے جو نص سے ثابت ہوتی ہیں اور پھر وہ مقاصد شریعت کو پورا کرنے والا ہوتا ہے جب کہ بدعت مذمومہ میں یہ چاروں صفات موجود نہیں ہوتیں لہذا اس طرح کا غور و فکر قابل قبول نہیں ہوتا بلکہ قابل رد ہوتا ہے۔

جہاں تک "تجدد اور دین کی نئی تعبیر" کا تعلق ہے، تو یہ اگر شرعی نصوص اور امت کے مسلمہ اصول فقہ کے معیار کے مطابق ہو تو اجتہاد اور اس میں کوئی فرق نہیں ہوگا اور اگر وہ دین کے نام پر دین میں ایسی تبدیلی ہو جو اسلام کے بعض بنیادی اور جزوی متفقہ اور اجماعی مفاہیم کو اس طور پر تبدیل کرے کہ وہ شرعی نصوص سے ٹکراتے ہوئے امت میں نئے انتشار کا سبب بنے تو ایسی تبدیلی بدعت سے بھی زیادہ قابل مذمت ہے، یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ قرآن حکیم اور اسلام کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوتے۔ لیکن اسلامی فکر سے تضاد رکھنے والے عناصر کو "تجدد اور کار تجدید" کے خوبصورت عناوین سے پیش کر کے اسلامی اساسی فکر اور لائحہ عمل کی تبدیلی تو ایک فریب سے کم نہیں، خواہ یہ افکار پیش کرنے والا اخلاص نیت اور کسی غلط فہمی کی بنیاد پر ہی انھیں پیش کر رہا ہو تب بھی یہ اندرونی اعتبار سے تو اس کا اور اس کے رب تعالی کا معاملہ ہو گا لیکن امت کے لئے اس کا بیانیہ قابل قبول ہرگز نہیں ہو سکتا، لہذا دین کے بنیادی تصورات و مفاہیم کی نئی تشریح کرنا سرے سے اجتہاد ہی نہیں ہے، چہ جائے کہ اسے اجتہاد کے معیار پر پرکھا جائے۔ یہ کار تجدید بھی نہیں کیونکہ تجدید کا مقصد دین کا چہرہ نکھار کر پیش کرنا اور اسے بدعات اور نام نہاد تجدد سے الگ کرنا ہے۔

بعض اہل علم نے جس کو بدعت حسنہ کہا ہے در اصل اس کی حیثیت اجتہاد ہی کی سی ہے لہذا اس کا معیار بھی وہی ہے جو اجتہاد کا ہے یعنی قرآن و سنت۔ لیکن دین کی نئی تعبیر کے تحت کوئی نیا اجتہادی مسئلہ زیر بحث نہیں ہوتا بلکہ یہ سمجھنا پیش نظر ہوتا ہے کہ دین اور اس کے اہم اجزاء کیا ہیں۔ اس حوالے سے ہمیں یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ دین جس طرح آپ ﷺ پر نازل ہوا، جس طرح آپ نے اسے سمجھا اور اس پر عمل کیا، وہ سب کچھ آپ نے صحابہ تک منتقل کیا، انہیں سمجھایا اور اسی کے مطابق ان کی تربیت کی، پھر جس طرح صحابہ کرام سے سلف صالحین جمہور علماء اور جمہور امت نے دین کو سمجھا قرآن کے مطابق وہی حجت ہے اور اس کے برخلاف کا بیانیہ قابل تردید ہے، اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ "ومن يشاقق الرسول من بعد ماتبين له الهدى ويتبع ير سبيل المومنين نوله ماتولى ونصله جهنم"۔[1]

---

[1] سورہ النساء، ۴:۱۱۵

موجودہ دور میں اگر کوئی عالم دین کی ایسی تعبیر پیش کرے جو صحابہ کرام کے فہم دین اوراجماع امت کے خلاف ہو یا کوئی دانشور یہ کہے کہ ماضی میں کسی نے دین کو صحیح نہیں سمجھا، صرف میرا فہم ہی صحیح ہے اوردین کے بنیادی حقائق جمہور علماء کی نظر سے مخفی رہ گئے تھے۔ تو اس کے دعوی میں عقلی طور پر بھی صداقت نہیں پائی جاتی کہ مسلم معاشرہ رسول اللہ ﷺ کے دور سے لے کر آج تک تسلسل کے ساتھ موجود رہا ہے اور اس میں کوئی انقطاع واقع نہیں ہوا اور اسی لئے تو یہ دین اوراس کی اصل کتاب کا ہر لفظ قطعی طور پر محفوظ و مامون ہے، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ جس فہم کو اجاگر کرنے کے لئے وہ دین محفوظ رہا ہو وہ فہم اوروہ دین کی حقیقت صحابہ، تابعین، جمہور علماء اور جمہور امت کی نظر سے غائب ہو گئی ہو۔

بعض معاصر دانشور فرماتے ہیں کہ روایتی علماء فکری و فقہی جمود کا شکار ہیں جب کہ اسلام حریت فکر کا داعی ہے لہٰذا اہم دینی امور اور نصوص قرآن و سنت کی جو تشریح چاہیں کرسکتے ہیں۔ اس بیانیے میں حقیقت کم اور مبالغہ زیادہ ہے۔ مسلمان کی فکری حریت کی مثال اس گھوڑے سے دی جاسکتی ہے جو ایک لمبی رسی کے ساتھ کھونٹے سے بندھا ہوا ہو۔ مطلب یہ کہ ایک مسلمان کی آزادی بھی محدود ہوتی ہے اور وہ اللہ کی طے کردہ حدود کی رسی سے بندھا ہوتا ہے بحیثیت عبد مومن ان کا مقلد محض ہوتا ہے اور ان پر عمل کا مکلف ہوتا ہے، خواہ ان کی حکمت اس کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ ایک مسلمان عالم کی فکری آزادی اجتہاد کی حد تک محدود ہے، بدعت، تجدد اور دین کی نئی تعبیر کے عنوان سے اپنی لامحدود آزادی کا استعمال اسلام کے بنیادی نظریات سے متصادم ہے۔ ہاں دعوت و تبلیغ، تعلیم و تزکیہ، انذار اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے منصوص احکام پر عمل کرانے کے لئے نیا لائحہ عمل مرتب کرنا اور اس کے لئے عملی جدوجہد کے مناسب اور معقول اسالیب اختیار کرنا اہل علم کی خصوصا اور تمام مسلمانوں کی عموما ذمہ داری ہے۔ اس میں فرد، معاشرہ، ریاست اور ارباب اقتدار سب کی اصلاح شامل ہے، اور جہاں تک جہاد اور اعلاء کلمۃ اللہ کا تعلق ہے تو مال، زبان اور قلم کے ذریعے سے تمام پر امن سرگرمیاں بھی امت کا اجتماعی فریضہ ہیں اور نفس امارہ کے خلاف مجاہدہ اور تزکیہ نفس کی جدوجہد بھی اسی کا ہی ایک حصہ ہے۔ حکمران کا ذاتی کردار نیک ہو یا بد، جہاد بمعنی قتال عمومی طور پر صرف ریاست کا حق ہے۔